توکل، نہج البلاغہ کی روشنی میں

مصنف: بخش علی قنبری
مترجم: مولانا ڈاکٹر محمد جعفر

توکل، اسلامی ثقافت کا ایک اخلاقی اور عرفانی مفہوم ہے۔ علمائے اخلاق نے سفارش کی ہے کہ قرآن کی اتباع کرتے ہوئے ہر مسلمان اپنی فردی اور اجتماعی زندگی میں توکل کو بروئے کار لائے اور عرفاء حضرات نے اسے ایک عرفانی مرتبہ کے طور پر یاد کیا ہے اور ہر سالک کے لئے اس کو اپنی زندگی میں ڈھال لینا ضروری جانا ہے۔ ہمارے اخلاقی اور عرفانی منابع نے توکل کی ضرورت کی طرف توجہ دلائی ہے۔

نہج البلاغہ میں توکل کے اخلاقی اور عرفانی دونوں معنی بیان کئے گئے ہیں۔ حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں مختلف پہلوؤں سے توکل کی اہمیت پر تاکید کرتے ہوئے اس کو ایمان کا ستون، اخلاقی متانت کا سبب، عرفانی فقر کی دستیابی کا راستہ اور غور و فکر کا ذریعہ جانا ہے۔ نہج البلاغہ کے نقطہ نظر سے توکل ہر گز انسانی کوشش کا جانشین نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ وہاں ہے جہاں کوئی امر انسانی اختیار سے باہر ہے۔

جب سے دنیا میں جدید علوم نے اپنا قدم رکھا ہے، دھیرے دھیرے انسان کے ذہن میں یہ تصور پیدا ہونے لگا ہے کہ یہ انسان معنوی اور متافیزیکل امور سے بے نیاز ہے۔ اسی فکر کے زیر اثر ہستی گرائی اور لبرلیزم جیسے مکاتب فکر کے افراد نے اپنی کارکردگی شروع کی اور اس کو آگے بڑھایا۔

ہستی گرائی نے انسان کو اخلاقی مفاہیم سے محروم کرنے اور لبرلیزم نے تقدس کے انکار کے ساتھ روحی اور نفسیاتی مشکلات میں کئی گنا اضافہ کر دیا ہے جس کی وجہ سے انسانی زندگی بحران سے دچار ہو گئی ہے جیسے معرفت کا بحران، خود ناآگاہی اور تنہائی کا بحران وغیرہ اور جس نے انسان کی روحانی اور جسمانی سلامتی کو خطرے میں ڈال دیا ہے۔

اس بحران سے نکلنے اور نجات پانے کا راستہ کیا ہے؟ راقم الحروف کا ماننا ہے کہ اگر اس دور میں انسان خدا پر توکل کرے تو وہ بیان شدہ بحران اور مشکلات کا ڈٹ کر سامنا کر سکتا ہے اور اس پر غلبہ پا سکتا ہے۔ اس مضمون میں راقم الحروف اس سوال کا جواب دینا چاہتا ہے کہ نہج البلاغہ کی روشنی میں توکل انسانی ارادہ کے منافی ہے یا نہیں؟ کن حالات میں توکل کیا جا سکتا ہے اور کن حالات میں توکل کا کوئی معنی نہیں ہوتا؟ اسی طرح ہم اس موضوع پر بھی روشنی ڈالیں گے کہ موجودہ دور میں مشکلات اور بحران کو کم کرنے میں اس اخلاقی اور دینی فضیلت کی اہمیت کیا ہے۔

توکل اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک انسان خدا کا معتقد نہ ہو اور اسی اعتقاد کی بنیاد پر وہ توکل کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کی یہی ضرورت اس کو خدا کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور جب وہ خدا کو پا لیتا ہے تب انسانی حیات میں معنی و مفہوم پیدا ہوتا ہے اور یہ معنی و مفہوم اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک خدا پر اعتقاد باقی رہتا ہے۔ شاید انسان اسی تجربہ کے ذریعہ خدا کو پا لے اور ہمیشہ کے لئے اس کو سمجھ لے اور اس پر عقیدہ رکھے رہے اور اس عقیدہ کے ساتھ پوری زندگی ثابت قدم رہے اور اس سے عشق کرنے لگے۔ لہٰذا اس دور میں توکل بہت زیادہ کارگر ثابت ہو سکتا ہے۔

دینی کتابوں میں خاص طور پر قرآن کریم اور اس کے بعد نہج البلاغہ میں خدا پر توکل کرنے کے بارے میں بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے اور ان کتابوں میں بیان شدہ متوکلین کے بہت سارے نمونے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ کمال کی منزل تک پہنچنے اور اپنے اہداف کو حاصل کرنے میں توکل جیسے عمل کی کتنی تاثیر ہے۔

توکل کی اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہمیں اس بات سے غافل نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے صحیح مفہوم کو سمجھنے میں ہمیشہ کچھ غلطیاں ہوتی رہی ہیں جس کا مشاہدہ بھی تاریخ میں کیا گیا ہے۔ اسلامی اور عرفانی تاریخ میں توکل کے مختلف معنی و مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔ کبھی کبھی اس کی وضاحت اس انداز میں کی گئی ہے کہ اس کا اصل معنی و مفہوم ہی بدل گیا ہے۔ اسی لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اس کے معنی و مفہوم کو صحیح طور پر سمجھیں تاکہ اس کے اصلی اور حقیقی معنی و مفہوم کو واضح کیا جا سکے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کے لئے عقل اور دینی متون جیسے قرآن و نہج البلاغہ کو ہی معیار قرار دیا جا سکتا ہے۔ جب ہم عرفانی کتابوں کا دین کی مقدس کتابوں (قرآن و نہج البلاغہ) کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ

ان دونوں کے بیان شدہ مفاہیم میں بہت زیادہ فاصلہ ہے لہٰذا ان فاصلوں کو کم کرنے کے لئے کوئی اقدام کرنا ضروری ہے۔ البتہ اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ عرفا و صوفیائے کرام کا یہی ادعا ہوتا ہے کہ ان کا قول و فعل قرآن کے مطابق ہوتا ہے لیکن جب ہم مقایسہ کرتے ہیں تو وہ اپنے ادعا پر پورے اترتے ہوئے نظر نہیں آتے بلکہ بعض جگہوں پر الٹا بھی نظر آتا ہے۔

اسی غرض سے ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ توکل کے معنی و مفہوم کو نہج البلاغہ کی روشنی میں جائزہ لیں اور ساتھ ہی ساتھ صوفیائے کرام کے درمیان رائج مفہوم کا بھی تنقیدی مطالعہ کریں۔ اسی ہدف کے تحت راقم الحروف نے توکل کے معنی و مفہوم کو اس کی اہمیت و عظمت کے پیش نظر، نہج البلاغہ کی روشنی میں بیان کیا ہے۔

توکل کی اہمیت:

توکل کا بہت ہی اہم عرفانی مقام ہے اور سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس مقام کو حاصل کرنے کے لئے اپنی تمامتر کوششوں کو بروئے کار لائے۔ ایسا سالک جس نے توکل کے مقام کو نہ پایا ہو یقیناً کمال انسانی کے حصول کے لئے اس کے سامنے بہت طویل راستہ ہے یا لفظوں کو بدل کر یوں کہا جائے کہ توکل سالک کی گذشتہ کوششوں اور اس کا آخری مقام یعنی رضا کے درمیان کی ایک زنجیر ہے۔ یعنی توکل ہی بندہ (سالک) اور خدا (مقصود) کے رابطہ کو عینی بناتا ہے۔

ابوطالب مکی کے نزدیک توکل کی اتنی اہمیت ہے کہ توکل پر طعنہ دینا گویا ایمان پر طعنہ دینے کے برابر ہے اور توکل سے لگاؤ کو ایمان سے لگاؤ سے تعبیر کیا ہے[1]۔ ان کے عقیدہ کے مطابق مومن کو خدا کے رزاق ہونے پر اپنی تلاش و کوشش سے زیادہ ایمان ہونا چاہیے تاکہ توکل کے مرحلہ کو پا سکے۔

توکل کی اتنی زیادہ اہمیت ہے کہ اگر کوئی شخص توکل کو حاصل کر لیتا ہے تو خداوند متعال اس کے لئے آسمانی دستر خوان (یعنی نعمتیں) بھیجتا ہے[2]۔ حضرت علیؑ کی نظر میں خدا کے علاوہ کوئی بھی اس توکل کا سزاوار نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی کسی کو بھی اپنی بارگاہ سے نہیں نکالتا ہے:

۱۔ مکی، ابوطالب، قوت القلوب، ص ۵

۲۔ نہج البلاغہ، ص ۱۰۷

هیهات هیهات انت اکرم من ان تضیع من ربیته او تبعد من ادنیته او تسلم الی البلاء من کفیته۔ ترجمہ: اب بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جسے تو نے پالا ہے۔ جسے تو نے قریب کیا ہے اسے دور کردے۔ جسے تو نے پناہ دی ہے اسے راندۂ درگاہ بنادے اور جس پر تو نے مہربانی کی ہے اسے بلاؤں کے حوالے کردے۔[1]

اس دعا میں حضرت علیؑ نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو شخص خدا کی پناہ میں آگیا، وہ بے سرپرست نہیں ہے اور جو شخص خدا کو اپنی پناہ کے لئے کافی جانتا ہے، وہ اس کو بلاؤں میں مبتلا نہیں کرتا۔ اہل توکل وہی خدا کی سرپرستی حاصل کرنے والے لوگ ہیں اور وہی لوگ توکل کی اہمیت سے آگاہ ہیں کیونکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہر انسان کو ایک نہ ایک دن موت آئے گی اور وہ تنہائی سے دچار ہوگا لہٰذا موت اور تنہائی کے ڈر سے خدا کی پناہ میں آجاتے ہیں۔ نہج البلاغہ کے مطالعہ کے بعد مندرجہ ذیل باتوں کو توکل کی اہمیت کی دلیل کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے:

۱۔ **توکل ایمان کا ستون ہے:** نہج البلاغہ سے پہلے قرآن کریم نے اس امر پر بہت تاکید کی ہے اور ارشاد ہوتا ہے: و علی الله فلیتوکل المومنون[2] یعنی مؤمنوں کو چاہیے کہ خدا پر توکل کریں۔ ایمان اور توکل کا ایک ساتھ ہونا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اگر کوئی ایمان کا دعویٰ کرتا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اہل توکل بھی ہو ورنہ اس کا ایمان مکمل اور مقبول نہیں ہے یعنی قرآن کی نگاہ میں ایمان کا معیار توکل ہے۔

نہج البلاغہ میں بھی اس بات کی طرف اشارہ ہوا ہے۔ امیرالمومنینؑ نے پیغمبر اسلامؐ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"کسی بندہ کا ایمان اس وقت تک سچا نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے ہاتھوں میں موجود چیزوں سے زیادہ ان چیزوں پر اعتماد نہ کرے جو خدا کے ہاتھ میں ہے"[3]۔

۱۔ مفاتیح الجنان، ص۱۱۵
۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۶۰
۳۔ نہج البلاغہ، ص۵۲۹

نہج البلاغہ کی نظر میں توکل ایمان کا ایک بنیادی ستون ہے لہٰذا ایمان اس وقت تک محکم نہیں ہو سکتا جب تک اس کے ستون محکم نہ ہوں:

الإيمانُ لَهُ أركانٌ أربعَةٌ : التَّوكُّلُ علَى الله ، وتَفويضُ الأمرِ إلَى الله ، والرِّضا بِقَضاء الله ، والتَّسليمُ لأمرِ الله۔ ترجمہ: ایمان کے چار رکن ہیں: خدا پر توکل کرنا، امور کو خدا کے حوالے کرنا، قضائے الٰہی سے راضی رہنا اور امر خدا پر تسلیم رہنا۔[1]

۲۔ توکل یعنی خدا کی ذات کے علاوہ تمام چیزوں سے بے نیازی: راہ خدا اختیار کرنے والے جب تک خود کو دوسروں سے بے نیاز نہ کر لیں اور خدا کی ذات کو غنی نہ سمجھ لیں اور خود کو اس کے حوالے نہ کردیں، اس وقت تک وہ کمال کے مرحلہ کو نہیں پا سکتے ہیں۔ اس مرحلہ تک پہنچنے کے لئے سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ توکل جیسے پل سے گذرے کیونکہ خدا ہمیشہ بندوں کی دسترس میں ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ آنس الانسين لِاَولِيَائِکَ وَ اَحضَرُهُم بِالكِفَايَهِ لِلمُتَوَكِّلِينَ عَلَيکَ تُشاهِدُهُمْ فِی سَرائِرِهِمْ، وَ تَطَّلِعُ عَلَيْهِمْ فِی ضَمائِرِهِمْ وَ تَعْلَمُ مَبْلَغَ بَصائِرِهِمْ۔ ترجمہ: بار الہا! تو اپنے چاہنے والوں کا بہت قریبی ہمدم ہے اور جو لوگ تجھ پر توکل کرتے ہیں ان کی کارسازی کے لئے سب سے زیادہ حاضر و ناظر ہے۔ تو ان لوگوں کو ان کے رازوں کے پردوں میں دیکھتا ہے اور ان سے زیادہ ان کے اندرونی حالات سے آگاہ ہے۔[2]

۳۔ توکل اخلاقی متانت کا سبب: توکل کرنے والا انسان بڑی آسانی سے اپنے عادات و اطوار میں متانت اور وقار لا سکتا ہے یہاں تک کہ توکل اس کے رفتار و کردار پر حاکم ہو جاتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

وَ إِنْ بُغِیَ عَلَيْه صَبَرَ حَتّٰی يَكُونَ الله هوَ الَّذِی يَنْتَقِمُ لَه۔ جب اس پر کوئی ستم ہوتا ہے تو وہ صبر و شکیبائی سے کام لیتا ہے تا کہ خدا اس کا انتقام لے لے۔[3]

۱۔ مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار (جلد ۷۱)، ص ۱۵۷
۲۔ نہج البلاغہ، ص ۳۴۹
۳۔ ایضاً، ص ۳۰۶

۴۔ توکل ہی کے ذریعہ انسان ،الٰہی نعمتوں اور غیبی امداد سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے جس کے بارے میں بیان کیا جا چکا ہے۔

۵۔ توکل، سادہ زیستی اور خرافات پرستی سے دوری کا سبب: توکل کرنے والا غور و فکر اور صبر کرنے والا بھی ہوتا ہے، وہ خدا کو بہترین منصف جانتا ہے اور ہر واقعہ کے وقوع پذیر ہونے میں غور کرتا ہے۔ اگر کوئی خدا پر توکل کرے گا تو وہ اجرام آسمانی کی حرکت کو خرافات سے تعبیر نہیں کرے گا۔

توکل کی تعریف اور اخلاق و عرفان کی بزرگ شخصیتوں کے نظریات کا جائزہ:

لغت میں توکل کے معنی اعتماد کرنے کے ہیں اور عرفان کی اصطلاح میں خدا پر اعتماد کرنے اور لوگوں سے مایوس ہونے کے معنی میں ہے[1]۔ توکل کا معنی یہ بھی ہے کہ اپنے امور کو اس اختیار مطلق رکھنے والے مدبر اور رزق دینے والے کے حوالے کر دینا ہے[2]۔ خدا سے امید رکھنے کے بعد توکل کا مرحلہ آتا ہے کیونکہ سالک اسی شخص پر اعتماد کرتا ہے، جس کے کرم کا اس سے پہلے تجربہ کر چکا ہو اور کرم کا سب سے اہم مصداق، امید بخشی ہے۔ خدا نے بھی قرآن میں مومنوں کو توکل کی تاکید کی ہے اور خدا پر ایمان رکھنے کو اس کا قرینہ قرار دیا ہے:

وَعَلَى اللّٰـهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ۔ ترجمہ: اور بھروسہ کرنے والے تو اللہ ہی پر بھروسہ کرتے ہیں۔[3]

دوسرے عرفانی مقامات کی طرح توکل بھی خواص و عوام کے درمیان مشترک ہے لیکن خاص لوگوں کی نگاہ اور عام لوگوں کی نگاہوں میں فرق ہوتا ہے۔ عام لوگوں کے نزدیک توکل صرف اخلاق کا ایک پہلو ہے جب کہ خاص لوگ اخلاقی پہلو کے علاوہ اسے عرفانی پہلو کی نگاہ سے بھی دیکھتے ہیں اور پھر اسی اعتبار سے اس پر عمل کرتے ہیں۔

۱۔ جرجانی، میر سید شریف، التعریفات، ص ۶۲
۲۔ آملی، محمد شمس الدین، فرہنگ اصطلاحات و تعریفات، ص ۸۳
۳۔ سورہ ابراہیم، آیت ۱۲

بعض اہل نظر کے نزدیک اپنے تمام امور کو خدا کے حوالے کر دینے کا نام توکل ہے[۱] کیونکہ خداوند متعال نعم الوکیل[۲] ہے اور بہترین وکیل پر بہترین اعتماد کرنے سے ہی اطمینان و سکون میسر ہوتا ہے اور یہ اطمینان و سکون اسی کی وکالت سے ہے۔

ذوالنون مصری کا ماننا ہے کہ تدبیر کا ترک کر دینا توکل کہلاتا ہے[۳] اور سہل بن عبداللہ تستری کا بھی یہی ماننا ہے[۴]۔ خداوند عالم قرآن میں ارشاد فرماتا ہے:

وَمَن يَتَّقِ اللَّـهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ﴿﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّـهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّـهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّـهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا۔

ترجمہ: اور جو بھی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے۔ اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا خیال بھی نہیں ہوتا ہے اور جو خدا پر بھروسہ کرے گا خدا اس کے لئے کافی ہے بیشک خدا اپنے حکم کا پہنچانے والا ہے اس نے ہر شے کے لئے ایک مقدار معین کر دی ہے۔[۵]

نہج البلاغہ میں توکل:

نہج البلاغہ میں بہت سارے دوسرے اخلاقی و عرفانی مفاہیم کی طرح توکل کے بارے میں بھی کچھ باتیں بیان ہوئی ہیں لیکن اس کی کوئی واضح و روشن تعریف بیان نہیں ہوئی ہے۔ اس کے باوجود نہج البلاغہ کی عبارتوں سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ توکل یعنی خدا کی طرف پلٹنا:

و اتوکل علی اللہ توکل الانابة الیہ۔ ترجمہ: خدا پر توکل کرتا ہوں، ایسا توکل جو اسی کی طرف لے جاتا ہے[۶]۔

۱۔ انصاری، منازل السائرین، ص ۷۵

۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۷۳

۳۔ ابن سراج، الطوسی، اللمع فی التصوف، ص ۵۲

۴۔ غنی، قاسم، تاریخ تصوف در اسلام (ج ۲)، ص ۲۹۷

۵۔ سورہ طلاق، آیت ۲۔۳

۶۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۶۱

حضرت علیؑ نے نہج البلاغہ میں امام حسنؑ کو خدا پر توکل کرنے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ اگر کوئی شخص توکل پر دسترسی حاصل کرلے تو گویا اس نے ایک محکم قلعہ میں پناہ لے لی ہے:

"اپنے تمام کاموں کو اپنے خدا کے سپرد کردو کیونکہ ایسا کرنے پر تم کو ایک استوار وامن پناہ مل جائے گی"۔[1]

توکل کے بارے میں نہج البلاغہ کی نگاہ ہرگز انسان کو کوشش سے نہیں روکتی ہے بلکہ ایک طرف خدا پر اعتماد کی تاکید ہے اور دوسری طرف کوشش کرنے کی طرف بلاوا بھی ہے لہٰذا نہج البلاغہ کی نگاہ میں توکل دراصل خدا پر اعتماد اور کوشش کا امتزاج ہے۔ کوشش و توکل کا آپسی تلازم اس معنی میں ہے کہ توکل کی ایک خاص صورت ہے جو انسان کی کوشش میں کسی طرح کی رکاوٹ نہیں لاتا، صرف کچھ ایسے موارد کو شامل کرلیتا ہے جن کے اسباب انسان کے اختیار میں نہیں ہیں بلکہ خداوند عالم کے اختیار میں ہیں اور ایسے میں انسان سوائے خدا پر اعتماد کرنے کے کچھ نہیں کرسکتا۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"میں دشمن کو موقع دینے سے پہلے ہی اس پر ایسا وار کرتا ہوں کہ اس کی ہڈیاں ٹوٹ کر بکھر جائیں اور اس کے بازو قلم ہو جائیں"۔[2]

اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے امام علیؑ توکل کی اہمیت کی طرف اس طرح اشارہ کرتے ہیں:

"اس کے بعد تمام چیزیں مشیت الٰہی سے ہوں گی"۔[3]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہج البلاغہ کی نگاہ میں متوکل انسان وہ ہے جو ہر ممکن کوشش کرے لیکن کامیابی کو مشیت الٰہی کے آئینہ میں دیکھے اور جہاں خدا کا اختیار شامل حال ہو وہاں توکل کرے۔ اس سے انسان کی کوشش اور توکل کے دائرہ کی وضاحت ہوتی ہے۔ بہرحال نہج البلاغہ کی نگاہ میں خدا پر توکل کرنے والا غیر خدا کی پناہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

۱۔ نہج البلاغہ، ترجمہ فیض الاسلام، ص۹۱۰
۲۔ ایضاً، ص۷۸۔۷۹
۳۔ ایضاً

من توکل علیه کفاه۔ ترجمہ: جو خدا پر توکل کرے خدا اس کے لئے کافی ہے[۱]۔

❖

" جو شخص خدا پر توکل کرتا ہے خدا اس کے لئے دین کو ایک قابل بھروسہ وسیلہ قرار دیتا ہے تاکہ وہ نجات پانے تک مطمئن رہے اور دنیاوی رنج سے دور ہو جائے"[۲]۔

یہی وجہ ہے کہ جب سالک خدا پر توکل کرتا ہے تو اغیار سے آنکھیں موند لیتا ہے اور تمام امیدیں خدا سے وابستہ کرلیتا ہے۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

"میں اس پر توکل کرتا ہوں اور ایسا توکل جو مجھے اس کی طرف لے جائے اور ایسا راستہ ڈھونڈھتا ہوں جو جنت کی طرف لے جاتا ہو اور خشنودی حاصل ہوتی ہو"[۳]۔

دوسری جگہ آپ ارشاد فرماتے ہیں:

و ما توفیقی الا باللہ علیه توکلت و الیه انیب۔ ترجمہ: اور خدا کے ہاتھوں میں ہی میری توفیق ہے۔ میں نے اس پر توکل کیا اور اسی کی طرف پلٹ کر جاؤنگا[۴]۔

مذکورہ باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ توکل اور یقین کے درمیان عمیق ارتباط پایا جاتا ہے۔ حضرت علیؑ اس ارتباط کے بارے میں فرماتے ہیں:

"حسن توکل کے ذریعہ حسن یقین پر استدلال کیا جاسکتا ہے"[۵]۔

یعنی اگر کوئی توکل کی منزل پر فائز ہوگیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اچھے دلائل پر دسترسی حاصل کرلی ہے۔ دوسری جگہ امامؑ فرماتے ہیں:

"توکل کا اصل سرچشمہ یقین ہے"[۶]۔

۱۔ نہج البلاغہ (ج۱)، ص۲۲۵
۲۔ نہج البلاغہ (ج۲)، ص ۳۱۳
۳۔ ایضاً، ص۲۳۰
۴۔ ایضاً، ص۳۸۸
۵۔ غرر الحکم و درر الکلم (ج۳)، ص ۲۲۴
۶۔ ایضاً، ج۱، ص ۱۸۴

توکل کے میدان میں کچھ ایسی سرگرمیاں شامل ہوتی ہیں جن کی ذمہ داری انسان کے ہاتھ میں نہیں دی گئی ہے، مثلاً رزق و روزی جو خدا کی طرف سے انسان تک پہنچتی ہے۔ نہج البلاغہ میں رزق کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں: ایک وہ روزی ہے جس کو انسان چاہتا ہے اور دوسری وہ روزی ہے جو انسان کو طلب کرتی ہے[۱]۔ پہلی قسم کی روزی کا تعلق توکل سے نہیں ہے کیونکہ اس طرح کی روزی انسان کی کوشش سے متعلق ہے لیکن دوسری قسم کی روزی انسان کے اختیار سے باہر ہے اس لئے انسان کو اس تک پہنچنے کے لئے خدا پر توکل کرنا چاہیے۔ حضرت علیؑ نہج البلاغہ میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

واعْلَمُوا عِلْماً يَقِيناً أَنَّ اللهَ لَمْ يَجْعَلْ لِلْعَبْدِ... أَكْثَرَ مِمَّا سُمِّيَ لَهُ فِي الذِّكْرِ الْحَكِيمِ وَلَمْ يَحُلْ بَيْنَ الْعَبْدِ فِي ضَعْفِهِ وَقِلَّةِ حِيلَتِهِ وَبَيْنَ أَنْ يَبْلُغَ مَا سُمِّيَ لَهُ فِي الذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۔ ترجمہ: یقین جانو کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں کے لئے اس کی تقدیر سے زیادہ کوئی چیز قرار نہیں دی ہے، چاہے وہ بندہ کتنا ہی ناتوان و لاچار ہو، جو کچھ اس کی تقدیر میں معین کر دیا گیا ہے اس میں رکاوٹ نہیں ڈالی گئی ہے۔[۲]

نہج البلاغہ میں توکل کے مبانی:

نہج البلاغہ کے ساتھ ساتھ دین اسلام کی دیگر دینی کتابوں میں بھی، خدا پر توکل اور اعتماد کرنے کو دیندار لوگوں کی اہم شرط بتایا گیا ہے۔ بیشک اہل دین کے نزدیک اس اہمیت کی کوئی خاص وجہ بھی ہوگی۔ توکل کے لئے خاص مبانی بیان کئے جاسکتے ہیں لیکن مبانی کو بیان کرنے سے پہلے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنیادی طور پر یہ توکل کس طرح وجود میں آتا ہے؟ یا لفظ بدل کر یوں سوال کیا جائے کہ کیا توکل کے مفہوم کو ہر معرفتی نظام کے لئے وصف کیا جاسکتا ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے کچھ مبانی کو مورد بحث قرار دیتے ہیں:

۱۔ **خدا کی معرفت:** جو لوگ اپنی زندگی میں توکل پر اعتقاد رکھتے ہیں وہ یقیناً اس جہان ہستی کے

۱۔ نہج البلاغہ، ص ۴۰۴ اور ۵۴۳

۲۔ ایضاً، ص ۵۲۴

خالق یعنی خدا پر بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور اس پر توکل کرتے ہیں۔ اگر ہم خدا کے مفہوم کے قائل نہ ہوں گے تو یقیناً توکل کے مفہوم کے بھی قائل نہیں ہو سکیں گے۔ بیشک نہج البلاغہ خدا محور کتاب ہے جس کی ابتدا اور انتہا خدا اور اس پر ایمان سے متعلق ہے۔ امام علیؑ نے نہج البلاغہ میں اس بات کی طرف واضح اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے:

هو حسبنا و نعم الوكيل، ترجمہ: وہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہی بہترین وکیل ہے[۱]۔

امام علیؑ کی نگاہ میں خداوند عالم مومنین کی ضروریات سے آگاہ ہے اور ان ضروریات کو پورا کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہے اور وہی ان کے لئے کافی ہے لہٰذا سالک حضرات، خداوند عالم پر توکل کر سکتے ہیں:

وَ اسْتَعِينُهُ فَاقَةً إِلَى كِفَايَتِهِ إِنَّهُ لَا يَضِلُّ مَنْ هَدَاهُ وَ لَا يَئِلُ مَنْ عَادَاهُ وَ لَا يَفْتَقِرُ مَنْ كَفَاهُ۔ ترجمہ: اسی سے مدد مانگتے ہیں کیونکہ ہمیں اس کی ضرورت ہے اور وہ جس کو ہدایت کردے وہ گمراہ نہیں ہوتا اور جو خدا کو اپنا دشمن بنالے وہ نجات نہیں پاتا اور خدا جس کو بے نیاز کردے وہ نیاز مند نہیں ہوتا۔[۲]

دوسرے مقامات پر خدا کے کافی ہونے پر تاکید کی گئی ہے:

وَ مَن تَوَكَّل عَلَيهِ كَفَاهُ۔ ترجمہ: جو خدا پر توکل کرے اس کے لئے وہی (خدا) کافی ہے[۳]۔

اس کے علاوہ نہج البلاغہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ صرف خدا ہی ایسا حقیقی وکیل ہے جس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے:

امره بتقوي الله في سرائر امره و خفيات عمله، حيث لا شهيد غيره و لا وكيل دونه، ترجمہ: اس کو اس کے پوشیدہ کاموں میں خدا سے تقویٰ کا حکم دیتا ہے، اس وقت جب

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۸۳
۲۔ ایضاً، خطبہ ۲
۳۔ ایضاً، خطبہ ۹۰ اور خطبہ ۸۳

اس کے علاوہ نہ کوئی گواہ ہے اور نہ ہی وکیل ہے۔[۱]

امام علیؑ نہج البلاغہ میں مختلف جگہوں پر خدا پر توکل کرنے کے بارے میں واضح طور پر یہ بیان کرتے ہیں کہ خدا نے مسلمانوں کی سرحدوں کی حفاظت کی ضمانت لی ہے[۲]۔ یعنی امامؑ نے نہج البلاغہ میں جو خدا کا تصور پیش کیا ہے وہ یہ ہے کہ خدا نے مسلمانوں کو اپنا موکل جانا ہے اور خود کو ان کا وکیل قرار دیتے ہوئے ان کے حدود کی ضمانت بھی لی ہے۔

۲۔ انسانی شناخت: نہج البلاغہ کی روشنی میں انسان ایک ایسا موجود ہے جس میں توکل کی طاقت بھی ہے اور وہ اس کا ضرورت مند بھی ہے کیونکہ انسان کے امور تین حالتوں سے خالی نہیں ہیں: یا مکمل طور پر انسان کے ہاتھوں میں ہیں یا مکمل طور پر اس کی دسترس سے باہر ہیں اور یا ایسے امور ہیں جن کا کچھ حصہ انسان کی دسترس میں ہے اور کچھ حصہ اس کی دسترس سے خارج ہے۔

دوسری اور تیسری حالت میں انسان کو خدا پر توکل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ نہج البلاغہ کی نگاہ میں انسان ایک ایسا موجود ہے جس کا مستقبل پر امیدوار ہونا اس کے کام پر اچھا اثر ڈال سکتا ہے کیونکہ توکل انسان کے قلب کو طاقت بخشتا ہے اور مستقبل کے لئے امیدوار کرتا ہے۔

۳۔ عرفانی نقطہ نظر: عرفانی سلوک کا آخری ہدف خدا کی رضایت حاصل کرنا ہے چاہے یہ وصال حق ہو یا اس کے ساتھ وحدت ہو۔ خدا کی رضایت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان اپنی ہستی کو اس کے اختیار میں دیدے اور اپنے تمام امور میں خدا پر توکل کرے۔ اس لحاظ سے نہج البلاغہ کی روشنی میں توکل کو معرفت و اخلاق کے آئینہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

امام علیؑ کی نظر میں خدا کی خوشنودی اتنی اہمیت کی حامل ہے کہ آپ اپنے تمام دنیاوی وسائل و سہولیات کو قربان کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن ذرہ برابر بھی حق باری تعالی کے فرمان کی مخالفت نہیں کرنا چاہتے ہیں:

۱۔ نہج البلاغہ، ص ۳۸۲

۲۔ ایضاً، خطبہ ۱۳۴، ص ۱۹۲

وَاللهِ لَوْ أُعْطِيتُ الْأَقَالِيمَ السَّبْعَةَ بِمَا تَحْتَ أَفْلاكِهَا عَلَى أَنْ أَعْصِيَ اللهَ فِي نَمْلَةٍ أَسْلُبُهَا جِلْبَ شَعِيرَةٍ مَا فَعَلْتُهُ وَإِنَّ دُنْيَاكُمْ عِنْدِي لَأَهْوَنُ مِنْ وَرَقَةٍ فِي فَمِ جَرَادَةٍ تَقْضَمُهَا، مَا لِعَلِيٍّ وَلِنَعِيمٍ يَفْنَى وَلَذَّةٍ لاَ تَبْقَى۔ ترجمہ: اگر ساتوں اقلیم اور جو کچھ بھی اس افلاک کے نیچے ہے مجھے دیا جائے اور مجھ سے یہ کہا جائے کہ میں خدا کی بس اتنی نافرمانی کردوں کہ ایک چیونٹی کے منہ سے گندم کا ایک ریزہ نکال لوں تو ہر گز میں ایسا نہیں کروں گا اور بیشک میرے نزدیک تمہاری دنیا کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی کیڑا اپنے منہ میں کوئی پتہ لے کر چبا رہا ہو۔ علیؑ کو ایسی نعمتوں اور لذتوں سے کیا حاصل ہے جو پایدار نہیں ہیں؟۔[1]

توکل اور توحید کا تنقیدی جائزہ:

بعض علمائے اخلاق اور عرفا و صوفیائے کرام توکل کو توحید کی فرع جانتے ہیں اور توکل کو توحیدِ افعالی کی نشانی سمجھتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ہر شخص عمل و افعال کے مرحلہ میں اپنی توحید کو آخری مرحلہ تک پہنچانا چاہتا ہے اور اس کے پاس صرف ایک ہی چارہ ہے کہ وہ اپنے تمام امور کو خدا کے سپرد کردے اور دوسرے عوامل کو دخل انداز نہ ہونے دے اور اسی کو فاعل اور علت سمجھے۔ جیسا کہ ذوالنون مصری کہتے ہیں:

> "توکل بہت سے خداؤں کی اطاعت سے باہر آنے اور ایک خدا کی اطاعت میں مشغول ہونے اور تمام اسباب کو قطع کردینے کا نام ہے"[2]۔

وہ نتیجہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ صوفیہ کی نظر میں توکل توحید کی فرع ہے یعنی توحیدِ حقیقی اصل ہے اور جس کا ظاہر ہونا توکل ہے[3]۔

عزیز الدین نسفی نے بھی توکل کو توحید کی فرع جانا ہے، اسی لئے وہ طریقت کے سالکوں کے لئے اسے

۱۔ نہج البلاغہ، ص ۲۲۴

۲۔ عطار، نیشاپوری، تذکرۃ الاولیاء (ج ۱)، ص ۱۲۹

۳۔ تاریخ تصوف در اسلام، ص ۲۹۵

ضروری جانتے ہیں کیونکہ عملی اور افعالی توحید اس وقت تک عینی صورت میں ظاہر نہیں ہوتی ہے جب تک انسان اپنی زندگی میں توکل کو نہ اپنائے[۱]۔ غزالی کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے جو توکل کو توحید کی فرع جانتے ہیں اور توحید کو توکل کی حقیقت کا سرچشمہ مانتے ہیں[۲]۔

توکل کے مراتب اور متوکل کے درجات:

غزالی نے توکل کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ جب متوکل شخص دوسروں سے اختلاف ہونے کی صورت میں کسی کو اپنا وکیل منتخب کرے لیکن ایسے شخص کو عقلمند، چالاک، فصیح، بے باک اور دلسوز ہونا چاہیے۔

۲۔ متوکل اپنے وکیل کو ایک ماں کی طرح دیکھے اور بچہ کی طرح اپنے درد و دکھ کو صرف اپنی ماں سے کہے۔

۳۔ متوکل ایک مردہ کی طرح ہو جو غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہے[۳]۔

مولانا روم بھی توکل کے اس درجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نوح کے بیٹے کی نافرمانی کو خدا اور اپنے باپ پر توکل نہ ہونا ہی جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: اے کاش نوح کا بیٹا اپنے باپ پر اعتماد کرتا اور اے کاش وہ تیرنا بھی نہ جانتا تو وہ ہلاک نہیں ہوتا جس کے نتیجہ میں یہ خطاب ہوا کہ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ (سورہ ہود، ۴۶)[۴]۔

اس بنیاد پر متوکل کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور اگر سالک توکل کے کسی ایک مرتبہ کو پالے تو اسے متوکل کہا جاتا ہے۔ ابن سراج بھی غزالی کی طرح متوکل کے تین طبقات بیان کئے ہیں:

۱۔ عام مؤمنوں کا توکل

۲۔ خاص مؤمنوں کا توکل

۱۔ نسفی، عزالدین، الانسان الکامل، ص ۳۳۳ تا ۳۳۵

۲۔ غزالی، محمد، الاربعین، ص ۲۲۹

۳۔ غزالی، محمد، کیمیای سعادت، ص ۸۰۹

۴۔ مولوی، جلال الدین محمد، مثنوی معنوی (ج ۴)، بیت ۱۴۱۴ اور ۱۴۱۵

۳۔ایسے مؤمنین کا توکل جن پر نظر کی جا چکی ہے اور ایسے لوگوں کے بارے میں جنید نے کہا ہے کہ:
"ہر حال میں ان کا خدا پر دلی اعتماد ہوتا ہے"[۱]۔

توکل کی تعریف کا تنقیدی جائزہ:

مذکورہ تعریفوں سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ توکل تمام امور میں تدبیر کا ترک کر دینے کا نام ہے۔ یہ صحیح تعریف ہے لیکن اہم چیز یہ ہے کہ اس کے مصادیق کو کس طرح تعین کیا جانا چاہیے؟ مصادیق کا تعین اور معیار بتانا بہت اہم ہے کیونکہ اگر اس کے حدود معین نہ ہوں گے تو غلط فہمی ہو سکتی ہے۔ اگر ہم تصوف کی کسی کتاب میں یہ پڑھتے ہیں کہ ایک عارف توکل کا مقام پانے کے لئے اپنے ساتھ کچھ لئے بغیر ہی جنگل میں چلا گیا اور اتفاق سے وہ بھوک و پیاس کا شکار ہو کر دنیا سے چلا گیا، تو یہ غلط فہمی کا ایک ناگوار نتیجہ ہوگا۔ صوفیوں کے درمیان یہ مسئلہ اتنا زیادہ رہا ہے کہ وہ لوگ آپس میں مسابقہ رکھتے تھے اور ایک دوسرے کا اسی طرح سے امتحان لیتے تھے۔ ان کی نگاہ میں توکل کا مفہوم یہ ہے کہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں تدبیر کو ترک کر دینا اور اپنے پاس کچھ نہ رکھتے ہوئے خود کو مردوں کی طرح ایسے بنا دینا ہے جیسے تمہارا جسم غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اور پھر ہر طرح کے نتائج کو وہ لوگ خدا کی طرف نسبت دیتے تھے حتی کہ چھوٹے سے چھوٹے اقدام کو بھی اپنے تصور کے منافی سمجھتے تھے اور خدا کے ارادے کو اپنے اوپر ایسا مسلط دیکھتے تھے جیسے کوئی پتہ ہوا کے تیز جھونکوں میں اڑ جاتا ہے۔

نقل ہوا ہے کہ ایک درویش دجلہ ندی میں گر گیا تو لوگوں نے اس سے کہا کہ کیا تم نجات پانا چاہتے ہو؟ اس نے کہا: نہیں۔ اور جب اس سے پوچھا گیا کہ کیا تم اسی حال میں مرنا پسند کرتے ہو؟ تب بھی جواب دیا کہ نہیں۔ اس استدلال کے ساتھ کہ مجھے خدا کی مشیت کے ساتھ کیا لینا ہے؟ خدا نے تو انسان کی خلقت کے وقت ہی معین کر دیا ہے کہ وہ غرق ہوگا یا نجات پائے گا![۲]

بعض صوفی حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ انسان اپنے عمل میں مطلق طور پر مجبور ہے اور اس کے اندر کسی طرح کا کوئی ارادہ اور اختیار نہیں ہے کیونکہ جب خداوند عالم نے تمام چیزوں کو اس کے لئے مقدر

۱۔ اللمع فی التصوف، ص ۵۱ تا ۵۲
۲۔ شیمل، آن ماری، ابعاد عرفانی اسلام، ص ۲۱۴

اور مشخص کردیا ہے تو انسان پر اور خاص طور پر متوکل سالک پر کسی طرح کا ارادہ کرنا حرام اور ناپسندیدہ عمل ہے۔ بعض صوفی حضرات حضرت ابراہیمؑ کے اس عمل کی طرف استناد کرتے ہیں جس میں انہوں نے جبرئیل کو مدد کرنے سے منع کردیا تھا اور کہتے ہیں کہ انہوں نے جبرئیل کو منع کرکے اپنے صحیح توکل کو ثابت کردیا اور خدا نے بھی اس کے نتیجہ میں ان کے لئے آتش کو ٹھنڈا کردیا تھا۔

البتہ صوفی حضرات مبتدی لوگوں کو توکل کے اس مفہوم سے آشنا کرانے کے لئے، مشائخ کے ایسے واقعات ان کے لئے بیان کرتے تھے جہاں انہوں نے دنیاوی اسباب کو چھوڑ کر کام کیا، جس کے نتیجہ میں ان کو بہترین صلہ و پاداش حاصل ہوئی۔ غزالی ابوحمزہ خراسانی نامی ایک صوفی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک جنگل میں جا رہا تھا تو میرا پیر لڑکھڑا گیا اور میں ایک گہرے کنویں میں گر گیا اور چونکہ میں اس کنویں سے اکیلا باہر نہیں نکل سکتا تھا اس لئے سوچا کہ کسی کو بلاؤں کہ وہ میری مدد کرے لیکن یہ کام توکل کے خلاف تھا۔ کچھ گھنٹے بعد دو لوگ اس کنویں کے پاس سے گذرے اور وہ آپس میں کہہ رہے تھے کہ اس کنویں کو ڈھک دیا جائے تاکہ کوئی شخص اس میں نہ گرے۔ وہ لوگ کنویں کو بند کرنے لگے، میں نے سوچا کہ ان سے مدد کی درخواست کروں لیکن میری نظر میں دوبارہ وہی بات آئی کہ یہ تو توکل کے خلاف ہے۔ وہ لوگ کنویں کو بند کرکے چلے گئے۔ میں کچھ دیر تک منتظر رہا کہ اچانک ایک جانور آیا اور اس نے کنویں سے تھوڑی سی خاک ہٹا کر اپنا پیر کنویں کی طرف لٹکایا اور اپنی آواز میں گویا مجھ سے کہا کہ اس کا پیر پکڑ لوں تو میں نے بھی اس کا پیر پکڑ لیا اور کنویں سے باہر آگیا۔

ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جس دنیا میں ہم زندگی گزار رہے ہیں، اس کے امور کا دو طرح سے جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ دنیا کے امور خدا کے ارادے سے چل رہے ہیں اور دوسرے یہ کہ انسان بھی اپنے سے متعلق امور میں مختار ہے۔ خدا اور انسان کا ارادہ دونوں ایک ہی ساتھ انجام پاتے ہیں۔ افعال کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ بعض امور ایسے ہیں جن پر انسان کو پورا اختیار دیا گیا ہے اور بعض میں انسان کو کسی طرح کا کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ وہ افعال جن میں انسان کو اختیار حاصل ہے اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ان میں سے بعض تو افعال کے زمرے میں قرار پاتے ہیں اور بعض نتیجہ ہوتے ہیں۔

مذکورہ تقسیم بندی کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ توکل (چاہے عام ہو یا خاص) ایسے امور میں ہوتا ہے جو انسان کی دسترس سے باہر ہو اور جہاں انسان کو اختیار دیا گیا ہے وہاں توکل کا مفہوم ہی صادق نہیں آتا۔ لہٰذا اگر انسان ایسے امور میں توکل کرے اور اپنے اعمال کو ویسے انجام نہ دے جیسا کہ خدا چاہتا تھا تو اس سے مواخذہ کیا جائے گا۔ عمل کی انجام دہی کے وقت کسی طرح کے توکل کو فرض نہیں کیا جاسکتا لیکن اس عمل کے نتیجہ پر ضرور توکل کیا جانا چاہیے کیونکہ نتایج کا تعلق خداوند عالم سے ہوتا ہے اور یہ کام انسان کی طاقت سے خارج ہے۔ اس لئے متوکل انسان کو جو کام سپرد کیا گیا ہے، اسے انجام دینا چاہیے اور جب دنیاوی امکانات تک اس کی دسترسی نہ ہوسکے اور اس کے اختیار سے باہر ہو جائے تو اسے توکل کا سہارا لینا چاہیے۔ پیغمبر اکرمؐ فرماتے ہیں:

"پہلے اونٹ کو باندھ لو پھر توکل کرو"[۱]۔

لہٰذا خدا پر توکل اور اعتماد کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ سالک خدا کے بنائے ہوئے دستور پر عمل کرتا ہے یعنی وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ وہ اپنے ہدف کو پورا کرلے گا اور خدا کی راہ میں اس کی تلاش و جستجو بے نتیجہ نہیں رہے گی۔

توکل، متوکل انسان کو اس کی راہ میں بڑھنے کے لئے شجاعت دلاتا ہے اور اسے اس کے عمل کے نتیجہ کے بارے میں بھی اطمینان دلاتا ہے کیونکہ وہ ایسا کام انجام دیتا ہے جو خدا کو پسند ہے لیکن غیر متوکل کافر جو راہ خدا میں رکاوٹ بنتے ہیں، ان کے اعمال تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ظاہری اسباب سے توسل کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ امیر المومنینؑ اس بارے میں فرماتے ہیں:

"خدا کی قسم ہر چیز مشیت الٰہی کے قبضہ میں ہے"[۲]۔

وہ امور جو انسانی اختیارات میں ہیں وہ انسان کی طرف پلٹتے ہیں اور جب انسان اپنی تمام ذمہ داریوں پر عمل کرلیتا ہے تو وہیں سے خدا پر توکل کا مفہوم پیدا ہوتا ہے۔ امام علیؑ کی نظر میں بھی ایسا ہی ہے کیونکہ آپ جنگوں میں کامیابی کے لئے اپنی تمام تدبیروں سے کام لیتے تھے لیکن کامیابی کے لئے اپنے آپ کو تام الاختیار

۱۔ کیمیای سعادت، ص ۸۲۰

۲۔ معادیخواہ، عبد الحمید، فرہنگ آفتاب، ج ۳

وکیل یعنی خدا کو سونپ دیتے تھے۔ آپ متوکلانہ طریقہ سے جنگ کے نتیجہ پر تسلیم ہو جاتے ہیں۔ یہ وہی بات ہے کہ آپ نے فرمایا: "خدا کی قسم ہر چیز مشیت الٰہی کے قبضہ میں ہے"۔

اس لئے توکل کا تعلق خدا کے بنائے ہوئے منصوبہ سے ہوتا ہے، انسان کے بنائے ہوئے منصوبہ سے نہیں۔

یہ نظریہ اہل تصوف کے درمیان رائج نظریہ سے مکمل طور پر مختلف ہے۔ غزالی اس تقسیم بندی کو نہیں مانتے اور توکل کو توحید کے ڈھانچہ میں تصور کرتے ہیں لہٰذا وہ توکل کو ہستی کے تمام پہلوؤں میں کارگر دیکھتے ہیں اور متوکل و غیر متوکل افراد کے عمل میں فرق کی نشاندہی کے لئے دنیوی مواہب کو معیار بناتے ہیں۔ وہ کیمیائے سعادت میں لکھتے ہیں:

> "جان لو جو شخص اپنے ایک سال کے اخراجات کا ذخیرہ کرتا ہے وہ توکل کی منزل سے نیچے گر جاتا ہے کیونکہ اس نے خفی اسباب کو چھوڑ کر ظاہری اسباب پر اعتماد کر لیا لیکن جس شخص نے وقت کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے قناعت کیا اور ضرورت بھر کھانا کھایا اور لباس پہنا تو اس نے توکل کا حق ادا کر دیا لیکن اگر ذخیرہ کرنا چاہے تو چالیس دن تک اس کے لئے صحیح ہے۔"[1]

اگر ہم توکل کو توحید کا تابع یا اس کی فرع سمجھتے ہیں تو یقیناً کسی کام کے انجام دہی میں چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا، توکل کو نقصان پہنچے گا لیکن جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ توکل ایسے امور میں کیا جاتا ہے جس کا تنہا سبب خدا ہے اور ایسی جگہوں پر تدبیر کو ترک کرنا چاہیے ورنہ معیشت خانوادہ اور معاشرے کی سیاسی تدبیر جیسے امور توکل کے بارے میں بیان شدہ اس نظریہ کے منافی ہونگیں۔ جیسا کہ امام علیؑ نہج البلاغہ میں اپنے کام میں عدم ترقی کو دنیاوی اور ظاہری اسباب سے نسبت دیتے ہیں نہ کہ خدا سے[2]۔ اور آپ کے خطوط بالخصوص خط نمبر ۵۳، معاشرہ کے نظم و نسق کے لئے مختلف تدابیر اور ظاہری اسباب و علل کا سہارا لینے سے متعلق ہیں۔ امیر المومنینؑ مالک اشتر کو وصیت کرتے ہیں کہ علماء کے ساتھ معاشرت کریں اور امور کی اصلاح میں ان سے مشورہ کرتے رہیں[3]۔

۱۔ نہج البلاغہ، ص۸۱۹
۲۔ ایضاً، ج۱، خطبہ ۲۷، ص۹۶
۳۔ ایضاً، ج۵، خط نمبر ۵۳، ص۱۰۰۱

یہ سب اس بات کی نشانی ہے کہ حضرت علیؑ توکل کو ایسے امور سے مختص کرتے ہیں جو انسان کے اختیار میں نہیں ہیں۔ اس نظریہ کے تحت ذخیرہ کرنا، سفر کے مقدمات فراہم کرنا، سکونت اختیار کرنا وغیرہ سبھی جائز ہے بلکہ بعض موقعوں پر عقل کے حکم سے واجب بھی ہے۔ اس کے برخلاف بعض صوفی حضرات یا تو ایسے بنیادی اقدامات کے قائل نہیں ہیں اور ان سب کو توکل کے منافی سمجھتے ہیں یا اس کے لئے ایک خاص ڈھانچے کے قائل ہیں۔ عزیز الدین نسفی زندگی کے امور و لوازم میں توکل کی حد کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "اہل و عیال والا شخص اگر کمائے اور ذخیرہ کرے تو اس سے توکل پر کوئی حرف نہیں آتا ہے لیکن اسے چاہیے کہ ایک سال سے زیادہ کا نفقہ ذخیرہ نہ کرے اور یہ کمائی بھی حلال طریقہ سے حاصل کرے۔ اور اگر کوئی شادی شدہ نہ ہو اور اس کی حالت یہ ہو کہ کچھ دن غذا نہ ملنے پر اس کی حالت غیر ہو جائے تو اس کو چاہیے کہ کوئی ذریعہ معاش اختیار کرے اور اس سے اس کے توکل پر حرف نہیں آتا ہے لیکن اس کو چاہیے کہ اپنی ضرورت کے مطابق ہی حاصل کرے اور ذخیرہ نہ کرے، چاہے وہ روزانہ ہی حاصل کرے اور اسی دن خدا کی راہ میں خرچ کردے۔ اور اگر دو تین روز غذا نہ ملنے سے اس کی حات غیر نہیں ہوتی ہے تو کسب معاش کو ترک کرنا اس پر لازم ہے[۱]۔"

توکل کو غلط سمجھنے کے نقصانات:

اگر توکل کے بارے میں ہمارا تصور غلط ہوگا اور اسے افعالی توحید سے ملادیں گے تو یقیناً ہم کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جن کی طرف ہم یہاں پر اشارہ کریں گے:

توکل کے مفہوم کو غلط سمجھنے کی سب سے پہلی آفت اور نقصان، سستی ہے۔ جب ہم ہر کام کو خدا کے سپرد کردیں گے تو کام کرنے اور سوچنے کے لئے ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں رہ جاتی۔

۱۔ الانسان الکامل، ص ۱۳۷ اور ۲۲۶

دوسری آفت یا نقصان یہ ہے کہ معاد اور معاش کے درمیان فاصلہ ہو جاتا ہے اور اس طرح دین اور دنیا میں جدائی نظر آنے لگتی ہے جب کہ امام علیؑ کے فرمان کے مطابق معاد کا تذکرہ، انسان کو کسب و معاش سے دور نہیں کرتا اور اسی طرح اس کے برعکس۔

تیسری آفت عقل کا معطل ہونا ہے۔ اگر عقل سے کام لینا چھوڑ دیا جائے تو یقیناً معاشرہ کو بہت زیادہ نقصان ہوگا جب کہ دینی معارف کی رو سے اس کو عبودیت کے مرکب کے نام سے جانا گیا ہے[1] اور اس دنیا میں انسانی معاش کی ذمہ داری اسی پر ہے۔ فنی اور علمی میدان میں مسلمانوں کی عدم ترقی کسی حد تک صوفیوں کے اس طرح کے نظریات کی وجہ سے ہے۔ جب کہ امیر المومنینؑ عقل کو بہت زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اس بارے میں فرماتے ہیں:

> "خدا نے لوگوں کے درمیان پیغمبروں کو بھیجا تاکہ لوگ اپنی پوشیدہ عقلوں کو کام میں لاسکیں"[2]۔

جیساکہ ہم نے دیکھا کہ امام علیؑ کی نظر میں توکل اور ہر وہ اخلاقی صفت جو عقل کو بیکار کردے، مطلوب نہیں ہے بلکہ خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر اور آسمانی کتابوں کے اغراض کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے یہ بدیہی امر ہے کہ عرفانی اور اخلاقی مفاہیم کی اس طرح کی تعریف، نہج البلاغہ کی نظر میں قابل قبول نہیں ہے۔

کس طرح توکل کی ایک ایسی تعریف کی جاسکتی ہے جو تدبیر کرنے اور راہ حل نکالنے کے خلاف نہ ہو، کیونکہ عقل کا کام ہی تدبیر کرنا اور سوچنا ہے اور امیر المومنینؑ عقل کا دوسرا نام تدبیر بتاتے ہیں اور فرماتے ہیں:

لا عقل کالتدبیر، ترجمہ: تدبیر جیسی کوئی عقل نہیں ہے[3]۔

یہ تدبیر قطعی طور پر اسباب کے بروئے کار لانے کی توجیہ کرتی ہے اور توکل کے ساتھ بھی ناسازگار نہیں ہے۔

۱۔ قال الصادقؑ: العقل ما عبد بہ الرحمن۔ (مجلسی، بحار الانوار، ج ۳۳، ص ۱۷۰)
۲۔ نہج البلاغہ (ج ۱)، ص ۳۳
۳۔ ایضاً، ج ۶، ص ۱۰۹

عقل سے کام نہ لینے والے توکل کو کس طرح سے کوئی ایسا شخص قبول کر سکتا ہے جو عقل کو معاشرے میں عدالت، احقاق حق اور ابطال باطل کا ذریعہ سمجھتا ہو؟[۱]۔ لہٰذا امام علیؑ کی نگاہ میں توکل ہر گز عقل کے لئے مزاحمت ایجاد نہیں کرتا اور نہ ہی عقل کا مخالف ہو سکتا ہے کیونکہ عقل کے بغیر معاشرے کو آگے نہیں بڑھایا جاسکتا۔ اس بات کو بھی مد نظر رکھیں کہ امام علیؑ نے کم سے کم چار سال تک معاشرے کی باگ ڈور سنبھال رکھی تھی اور دوسری طرف امامؑ کا توکل کے بارے میں اتنی تاکید کرنا بے معنی نہیں ہو سکتا ہے لہٰذا توکل اور تعقل کے درمیان ایک تناسب ہونا چاہیے۔ یہ بات مسلم ہے کہ امام علیؑ کی نظر میں توکل و تعقل میں ہر گز تناقض نہیں ہے۔

توکل کے فائدے:

متوکل اور غیر متوکل افراد کی زندگی ہر گز یکساں نہیں ہوتی۔ جو انسان خدا پر توکل کرتا ہے وہ مشکل گھڑی میں کامیابی کی امید کو نہیں چھوڑتا۔ متوکل انسان خدا کی عنایت اور زمانہ پر اس کی حاکمیت پر توجہ کے ساتھ اپنی کوشش کو مفید پاتا ہے اور دیر یا زود وہ کامیابی میں دوسروں سے آگے بڑھ جاتا ہے۔ متوکل سالک اس دنیا کے مستقبل کو حق کی منہج پر دیکھتا ہے اور الٰہی وعدہ سے لو لگاتا ہے۔

اسی طرح تاریخ کے تکاملی سفر کو حق جو افراد کی کامیابی تصور کرتا ہے اور ایسے امر میں خدا کو اپنا وکیل اور اس کامیابی کا سرچشمہ سمجھتے ہوئے اسے صادق الوعد جانتا ہے۔ توکل کے انفرادی اور اجتماعی فائدے بھی ہیں جن میں سے بعض کی طرف نہج البلاغہ کی روشنی میں اشارہ کریں گے:

الف۔ **توکل کے انفرادی فائدے**: توکل کے مندرجہ ذیل انفرادی فائدے ہیں:

۱۔ **اپنے نفس پر قابو پانا**: منزل کمال تک پہنچنے کی تمنا رکھنے والا انسان اس وقت تک اپنی منزل کو نہیں پہنچ سکتا جب تک وہ اپنے نفس پر غلبہ نہ پالے۔ امام علیؑ فرماتے ہیں:

اقوی الناس من غلب ھواہ۔ ترجمہ: لوگوں میں طاقتور انسان وہی ہے جو اپنے نفس پر غلبہ پالے[۲]۔

۱۔ نہج البلاغہ (ج ۴)، ص ۶۸۶
۲۔ غرر الحکم و درر الکلم (ج ۲)، ص ۴۱۳

نفس کی کامیابی میں توکل کا بنیادی کردار ہوتا ہے اور وہ اس طرح سے کہ الٰہی راستہ کا سالک خدا کی مدد اور اس کے وعدے کی بنیاد پر اپنے نفس سے مبارزہ کرتا ہے اور توکل کا پہلا نتیجہ اس جنگ میں کامیابی کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔ حضرت علیؑ نفس سے جنگ کرنے میں توکل کے کردار کے بارے میں فرماتے ہیں:

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم سن رہے ہو، یہ خدا ہی ہے جو نفس سے جنگ کرنے میں میری اور تمہاری مدد کرتا ہے اور وہی ہمارے لئے کافی ہے، وہ کتنا اچھا وکیل ہے"[1]۔

۲۔ **اخلاقی بیماریوں اور کمزوریوں کا علاج:** توکل نہ کرنے والا انسان خدا سے سوء ظن رکھتا ہے اور یہی منفی بات کنجوسی، لالچ اور ڈر جیسے مختلف رذایل کا سبب بنتی ہے جب کہ متوکل انسان ہمیشہ خدا پر حسن ظن رکھتا ہے اور خدا کو ہی تمام اچھائیوں کا منشا جانتا ہے اور اس سے اچھائی کے علاوہ کسی چیز کی توقع نہیں کرتا ہے، اسی لئے وہ اخلاقی مشکلات سے آسانی سے لڑ سکتا ہے۔ امیر المومنینؑ توکل کی اسی تاثیر کے سلسلہ میں مالک اشتر کو تحریر فرماتے ہیں:

وَلاَ تُدْخِلَنَّ فِي مَشورَتِکَ بَخِيلاً يَعْدِلُ بِکَ عَنِ الْفَضْلِ وَ يَعِدُکَ الْفَقْرَ، وَلاَ جَبَاناً يُضْعِفُکَ عَنِ الأمُورِ، وَلاَ حَرِيصاً يُزَيِّنُ لَکَ الشَّرَهَ بِالْجَوْرِ؛ فَإِنَّ الْبُخْلَ وَالْجُبْنَ وَالْحِرْصَ غَرَائِزُ شَتَّى، يَجْمَعُهَا سُوءُ الظَّنِّ بِاللهِ۔

ترجمہ: اپنے مشورہ میں کسی بخیل کو شامل نہ کرنا کہ وہ تم کو فضل و کرم کے راستہ سے ہٹادے گا اور فقر و فاقہ کا خوف دلاتا رہے گا اور اسی طرح بزدل سے مشورہ نہ کرنا کہ وہ ہر معاملہ میں تمھیں کمزور بنادے گا۔ اور حریص سے بھی مشورہ نہ کرنا کہ وہ ظالمانہ طریقہ سے مال جمع کرنے کو تمہارے سامنے آراستہ کرے گا۔ یہ بخل، بزدلی اور طمع اگرچہ الگ الگ جذبات و خصائل ہیں لیکن ان سب کا قدر مشترک پروردگار سے سوء ظن ہے جس کے بعد ان خصلتوں کا ظہور ہوتا ہے[2]۔

۱۔ فرہنگ آفتاب، ج ۳
۲۔ نہج البلاغہ، خط ۵۳

ب۔ **توکل کے اجتماعی فائدے:** توکل انسان کی اجتماعی زندگی میں بھی بہت سے فائدے پہنچاتا ہے جن کی طرف ہم نہج البلاغہ کی روشنی میں اشارہ کریں گے:

ا۔ **حق و باطل کی جنگ میں توکل ہی حق پسند افراد کے لئے استقامت کا سبب بنتا ہے:** حق طلبی اور اس کی شناخت اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنا انسانی خلقت کا ایک ہدف ہے، البتہ معاشرے میں ہونے والی دگرگونی اور تبدیلیوں کی وجہ سے انسان کے لئے حق کا طلب کرنا مشکل ہو جاتا ہے، ایسے میں صرف وہی افراد ڈٹے رہتے ہیں جو خدا پر اعتماد اور بھروسہ رکھتے ہیں۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

إِنَّ هَذَا الْأَمْرَ لَمْ يَكُنْ نَصْرُهُ وَ لَا خِذْلَانُهُ بِكَثْرَةٍ وَ لَا بِقِلَّةٍ، وَ هُوَ دِينُ اللهِ الَّذِي أَظْهَرَهُ وَ جُنْدُهُ الَّذِي أَعَدَّهُ وَ أَمَدَّهُ، حَتَّى بَلَغَ مَا بَلَغَ وَ طَلَعَ حَيْثُ طَلَعَ، وَ نَحْنُ عَلَى مَوْعُودٍ مِنَ اللهِ، وَ اللهُ مُنْجِزٌ وَعْدَهُ وَ نَاصِرٌ جُنْدَهُ۔

ترجمہ: اسلام کی کامیابی اور شکست اس کے لشکر کی کمی یا زیادتی کی وجہ سے نہیں تھی۔ یہ خدا کا دستور ہے کہ اس نے کامیابی عطا کی اور اس نے اپنے لشکر کو بھیج کر مدد کی تاکہ اس کو جہاں تک پہنچنا ہو پہنچ جائے اور جہاں اس کو چمکنا ہو چمک جائے۔ ہم کو خدا نے کامیابی کا وعدہ دیا ہے اور خدا اپنے وعدہ پر وفادار اور اپنے لشکر کو مدد پہنچانے والا ہے۔[1]

توکل میں جس نکتہ کی طرف توجہ دینا چاہیے وہ یہ ہے کہ انسان کو ایسا کام کرنا چاہیے جس کی وجہ سے توکل مکمل طور پر اس کی زندگی کا حصہ بن جائے یعنی اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں توکل ہی کے ساتھ عمل کرے تاکہ وہ اپنے وجود تک پہنچنے والی ہر آفت کو روک سکے۔ یہ ایک ایسا طریقہ ہے جس کا مشاہدہ ہم حضرت علیؑ کی پوری زندگی میں کرتے ہیں جیساکہ آپ نے خلیفہ دوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

و أمّا ما ذكرت من عددهم، فإنّا لم نكن نقاتل فيما مضى بالكثرة، و إنّما كنّا نقاتل بالنّصر و المعونة ۔ ترجمہ: اور جو کچھ تم نے ان کی بھاری تعداد کے بارے میں کہا

ا۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۴۶، ص ۲۰۳

ہم ماضی میں بہت بڑے لشکر کے ساتھ کافروں سے نہیں لڑتے تھے بلکہ دشمن کا مقابلہ کرنے میں خدا ہماری مدد کرتا تھا۔[1]

۲۔ توکل، بدعتیوں کے مقابلے میں دین کی حفاظت کا ذریعہ: دیندار انسان نہ صرف اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے بلکہ کبھی کبھی اپنی جان دے کر دین کو مستحکم بھی کرنا پڑتا ہے اور اس راہ میں کوئی کمی نہیں ہونی چاہئے۔ ایسا کام سبھی مومنین اور دینداروں سے متعلق ہے لیکن صرف وہی لوگ بدعتیوں اور فسادیوں سے جنگ کرنے میں کامیاب ہوتے ہیں جو توکل کو اپنی ڈھال بناتے ہیں۔

۳۔ توکل، دینی اور اجتماعی اصلاح کی بنیادی شرط: امیر المومنینؑ توکل کو اصلاح معاشرہ کی بنیادی شرط مانتے ہیں اور فرماتے ہیں:

> وَ مَا أُرِدتُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔
>
> ترجمہ: میرا اصلاح کے علاوہ کوئی مقصد نہیں تھا جہاں تک میری استطاعت تھی اور میری توفیق خدا کے علاوہ کسی ہاتھ میں نہیں ہے۔ میں نے اس پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف لوٹ جاؤنگا۔[2]

۴۔ توکل، خرافات سے روکتا ہے: اگرچہ یہ امر انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح سے فائدہ مند ہوتا ہے لیکن چونکہ اجتماعی امور میں اس کی تاثیر زیادہ ہے اس لئے ہم نے اسے یہاں بیان کیا ہے۔ امیر المومنینؑ جن امور کو خرافات سمجھتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں سختی سے پیش آتے ہیں ان میں سے ایک نجومیت (ستارہ شناسی) ہے کیونکہ بعض لوگ خدا پر توکل کرنے کے بجائے ستاروں کے سعد و نحس ہونے اور اس کے طلوع و غروب ہونے کو اپنا وسیلہ قرار دیتے ہیں اور اپنے راستہ سے ہٹ جاتے ہیں جس کے بارے میں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں[3]۔

۱۔ نہج البلاغہ، ص ۲۰۴
۲۔ ایضاً
۳۔ ایضاً، ص ۱۰۵

منابع و مآخذ

- ❖ قرآن کریم
- ❖ نہج البلاغہ، ترجمہ علی نقی فیض الاسلام، مرکز نشر آثار فیض الاسلام
- ❖ نہج البلاغہ، ترجمہ حسین استاد ولی، اسوہ، تہران، ۱۳۸۴ش
- ❖ غرر الحکم و درر الکلم، بہ کوشش محمد تمیمی آمدی، بہ تصحیح و مقدمہ میر جلال الدین حسینی ارموی، دانشگاہ تہران، ۱۳۶۰ش
- ❖ آملی، محمد شمس الدین، فرہنگ اصطلاحات و تعریفات (نفایس الفنون)، بہ کوشش بہروز ثروتیان، فردوس، تہران، ۱۳۸۰ش
- ❖ انصاری، منازل السائرین، بہ کوشش عبد الغفور روان فرہادی، مولی، تہران، ۱۹۸۱ء
- ❖ ابن السراج، الطوسی، اللمع فی التصوف، بہ کوشش رینولد نیکلسن، لیدن، ۱۹۸۱ء
- ❖ جرجانی، میر سید شریف، التعریفات، قاہرہ، ۱۳۷۵ش
- ❖ حافظ، خواجہ شمس الدین محمد، دیوان، بہ تصحیح محمد قزوینی و قاسم غنی، تہران، دانشگاہ تہران
- ❖ شیمل، آن ماری، ابعاد عرفانی اسلام، ترجمہ عبد الرحیم گواہی، دفتر نشر فرہنگ اسلامی، تہران، ۱۳۷۴ش
- ❖ عطار نیشاپوری، فرید الدین، تذکرہ الاولیا، بہ کوشش رینولد نیکلسن، دنیای کتاب، تہران، ۱۳۴۶ش
- ❖ غزالی، محمد، احیاء علوم الدین، تحقق الحافظ العراقی، ، دار الجیل، بیروت
- ❖ غزالی محمد، الاربعین، ترجمہ برہان الدین حمدی، اطلاعات، تہران، ۱۳۷۴ش
- ❖ غزالی محمد، کیمیای سعادت، بہ کوشش احمد آرام، امیر کبیر، تہران، ۱۳۷۲ش
- ❖ غنی، قاسم، تاریخ تصوف در اسلام، نشر زوار، تہران، ۱۳۸۰ش
- ❖ قشیری، خواجہ ابوالقاسم، ترجمہ رسالہ قشیریہ، بہ کوشش بدیع الزمان فروزانفر، نشر علمی و فرہنگی تہران، ۱۳۶۱ش
- ❖ قمی، شیخ عباس، مفاتیح الجنان، ترجمہ مہدی الہی قمشہ ای، مرکز نشر فرہنگی رجا، تہران، ۱۳۷۰ش
- ❖ کاشفی، ملا حسین، مثنوی لب لباب، بہ اہتمام حاج نصر اللہ تقوی، نشر اساطیر، تہران، ۱۳۷۵ش
- ❖ گوہرین، سید صادق، شرح اصطلاحات تصوف، نشر زرہ، ۱۳۶۷ش

❖ مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار (جلد ۷۰، ۷۱)، نشر داراحیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۳ھ
❖ معادیخواہ، عبدالمجید، فرہنگ آفتاب، نشر ذرہ، تہران، ۱۳۷۲ش
❖ مکی، ابوطالب، قوت القلوب، تصحیح تحسین یازیجی، نشر مطبعہ البابی الحلبی، مصر، ۱۳۸۱ش
❖ مولوی، جلال الدین محمد، مثنوی معنوی، نشر امیر کبیر، تہران، ۱۳۶۳ش
❖ نسفی، عزالدین، الانسان الکامل، بہ تصحیح ماژیران مولہ، انستیتو ایران و فرانسہ، تہران، ۱۹۶۲ء